اور اس کے دل میں اللہ کی بندگی، بندوں کی خدمت اور صالحین میں شمولیت کا شوق پیدا کرے۔

قرآن مجید میں اچھے عمل کو جس قدر اہمیت دی گئی ہے، وہ کہیں اور نہیں ملتی۔ عمل کو نجات اور کامیابی کے لیے شرط بھی قرار دیا گیا ہے، اور اسے نجات اور کامیابی کا ضامن بھی بتایا گیا ہے۔ قرآن مجید کا مقصود باایمان اور باعمل فرد کی تیاری ہے۔ بے ایمان یا بے عمل کا انجام آخرت میں کیا ہوگا اس سے قطع نظر، یہ بات یقینی ہے کہ وہ قرآن مجید کے سایے میں تیار ہونے والا انسان نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اس کے لئے نہ کوئی وعدہ ہے، اور نہ کوئی بشارت ہے۔ قرآن مجید میں کوئی ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ہے جو ایمان اور عمل میں سے کسی ایک کے بغیر نجات اور کامیابی کی گنجایش بتاتا ہو۔ قرآن مجید میں ایمان اور عمل ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کسی ایک پر زیادہ زور دینے سے دوسرے کی اہمیت کم ہوسکتی ہے۔ ہر جگہ دونوں کی اہمیت برابر نظر آتی ہے۔ قرآن مجید میں نہ ایمان کے اضافے کی کوئی آخری حد بتائی گئی ہے، اور نہ عمل کے ذخیرے کی کوئی آخری حد بتائی گئی ہے۔ ایمان کا مسلسل بڑھتے رہنا بھی عین مطلوب ہے، اور عمل کا بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ ہوتے رہنا بھی عین مقصود ہے۔

قرآن مجید میں عقل کے اطمینان کا سامان کیا گیا، عقل کو استعمال کرنے کی تاکید کی گئی اور غور وفکر پر اُبھارا گیا ہے۔ غور وفکر نہ کرنے پر مذمت کی گئی ہے، اس کے لیے مناسب ترین ماحول فراہم کیا گیا ہے۔ غور وفکر کے راستے کی رکاوٹوں کو دُور کیا گیا ہے۔ بہتر طریقے سے غور وفکر کرنے کی تربیت کا انتظام رکھا گیا ہے، اور قرآن مجید کو غور وفکر کا ایسا زبردست سرچشمہ بنا دیا گیا ہے، جہاں غور وفکر کے بے شمار مواقع ہیں، اور جہاں سے غور وفکر کے بہت سے میدانوں کی راہیں ملتی ہیں۔ قرآن مجید میں کہیں عقل کی مذمت نہیں ہے، ہر جگہ عقل کی تعریف ہے۔ کہیں عقل کے استعمال پر قدغن نہیں ہے، عقل کو استعمال کرنے کی پوری آزادی ہے۔ قرآن مجید نے عقل کو جتنا اُونچا مقام دیا ہے، اور جتنا اہم کام قرار دیا ہے، اتنا اونچا مقام اور اتنا اہم کام تو خود انسان اپنی عقل کو نہیں دے سکتا تھا۔ قرآن مجید کے کلام حق ہونے کی ایک بڑی دلیل اس کی حکمت دوستی اور عقل نوازی ہے۔

قرآن مجید کی ہر آیت دعوت وتربیت کی آیت ہے، ہر آیت دعوت وتربیت کے سفر کے لیے بہترین زادراہ ہے۔ قرآن کی کوئی آیت خاموش نہیں ہے، ہر آیت بول رہی ہے۔ بات رکھنے

کا سلیقہ، جواب دینے کا طریقہ، عقل کو مطمئن کرنے کا انداز، دل تک پیغام رسانی کا اسلوب، غرض ایک داعی اور ایک مربی کی بہترین تیاری کا سامان قرآن مجید کی سبھی آیتوں میں موجود ہے۔ مکی آیتیں داعی تیار کرتی ہیں، اور مدنی آیتیں مصلح اور مربی تیار کرتی ہیں۔ قرآن مجید کی آیتوں میں ایک عظیم داعی اور ایک عظیم مربی صاف دکھائی دیتا ہے، وہی قرآن مجید کا مطلوبہ داعی اور مربی ہے۔ قرآن مجید کے مطابق زندگی کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کی دعوتی گفتگو اور تگ ودو قرآن مجید میں نظر آتی ہے، اسی جیسی اس انسان کی زندگی میں بھی نظر آنے لگے۔

اس وقت قرآن مجید سے ہماری بہت زیادہ دوری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہمارا حال قرآن مجید کی بنیادی خصوصیات سے یکسر عاری ہے۔ خود ملامتی میرے نزدیک بھی اچھی بات نہیں ہے، لیکن اپنے حال کا صحیح تجزیہ نہ کرنا اور جھوٹ میں گندھی ہوئی خاموشی کو اپنی زبانوں پر تھوپے رہنا اور بھی برا ہے۔ اپنے حال کو خود اپنی نگاہ کے سامنے بے نقاب کرنا اور خوش فہمی کی قبر سے خود کو باہر نکالنا ہی سمجھ داری ہے، اگر ہماری زندگی میں سمجھ داری کے لیے تھوڑی سی بھی جگہ ہے۔

ہم ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں، لیکن ایمان کی ساری خصوصیات سے محروم ہیں۔ ہمارے ایمان میں نہ یقین ہے اور نہ اطمینان، نہ جذبہ ہے اور نہ تمنا، نہ وہ غفلت کا پردہ چاک کرتا ہے اور نہ بدعتوں سے روکتا ہے، نہ معروف کو عام کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور نہ منکر کو مٹانے کی ہمت دیتا ہے، نہ اعلان حق کی جرأت بیدار کرتا ہے، نہ آنسو کے سوتے جاری کرتا ہے، نہ کسی خطرے کا سامنا کرنے دیتا ہے، اور نہ کسی بھاری بوجھ کو اٹھانے کی ہمت پیدا کرتا ہے۔ ایسے کمزور ایمان کے ساتھ تو دنیا کی کوئی مہم سر نہیں کی جاسکتی ہے، بھلا آخرت کا سفر کیسے طے کیا جاسکتا ہے!

جھوٹی اُمیدوں نے ہماری زندگی کو عمل سے بے زار بنادیا ہے۔ بے کاری اور بے عملی ہماری خراب پہچان بن گئی ہے۔ اچھے کاموں کی دوڑ میں ہم آگے نظر نہیں آتے۔ آسان اور تھوڑے سے اعمال کو بہت کافی سمجھ لیتے ہیں۔ بڑے اور بہترین کام، مشکل اور قربانیوں والے کام، فتوحات اور اللہ کو خوش کرنے والے کام، شیطان کو شکست دینے اور قوموں کی امامت والے کام، مختصر یہ کہ قرآن مجید میں کثرت سے نظر آنے والے کام ہماری زندگی میں کم سے کم ہی نظر آتے ہیں۔ مزید یہ کہ عمل کے بغیر جنّت میں چلے جانے کا ہمیں اس قدر یقین ہے، گویا ہمیں جنت کے مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔

ہماری عقلیں نہ کائنات کی نشانیوں پر غور کرتی ہیں، اور نہ قرآن مجید کی آیتوں میں تدبر کرتی ہیں، نہ انسانوں کے مسائل پر سوچتی ہیں اور نہ اپنی عاقبت ہی کی فکر کرتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ہماری عقلوں کے لیے اس دنیا میں کوئی مصرف ہی نہیں ہے۔ ہمارے رسم ورواج، ہماری عادات ومعمولات، ہمارا رویہ، ہماری عبادتیں، ہمارے تعلقات، غرض ہماری زندگی کے ہر ہر پہلو میں بے عقلی بلکہ عقل دشمنی جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ کیا ماجرا ہے کہ قرآن مجید نے جنھیں لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ کہا تھا وہ اس قدر قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ہو گئے۔

ہماری زندگی یوں تو ہر طرح سے جمود کا شکار ہے، مگر دعوت وتربیت کو تو ہماری سرگرمیوں میں بالکل بھی جگہ نہیں ملتی۔ ہم دوسروں سے متاثر اور مرعوب رہتے ہیں۔ ہم دوسروں کے بنائے ہوئے منصوبوں میں رنگ بھرنے کے کام آتے ہیں، دوسروں کے اٹھائے ہوئے ایشوز پر کام کرنے یا انھی کو دُہرانے کا کام کرتے ہیں، اور دوسروں کے چھیڑے ہوئے سُروں پر سر دُھنتے ہیں، نہ ہم اپنے ایشوز اٹھاتے ہیں اور نہ اپنے سُر چھیڑتے ہیں۔ غرض یہ کہ قرآنِ مجید تو ہم کو داعی بناتا ہے، مگر ہم مدعو بنے ہوئے ہیں۔ الیکشن میں کھڑے ہونے والے اُمیدواروں کے حواری ان کا جس قدر پرچار کرتے ہیں، کم از کم اتنا پرچار بھی اگر اللہ کے انصار اور رسول کے حواری نہیں کریں گے تو پھر کیسے خیر امت قرار پائیں گے؟ مزید یہ کہ جو داعی اور مربی ہونے کے دعوے دار ہیں، بسا اوقات ان کی دعوت وتربیت میں قرآن سے دوری اور لاتعلقی صاف نظر آتی ہے، اور کہیں سے نہیں لگتا کہ ان کی تربیت قرآن مجید کی آیات سے ہوئی ہے۔

قرآن مجید سے تربیت لینے والا انسان ایمان ویقین کی قوت سے مالا مال ہوتا ہے، عمل کے میدان میں سب سے آگے ہوتا ہے، عقل وحکمت کے میدان کا بہترین شہسوار ہوتا ہے، اور اپنے مشن کے لیے ہمیشہ سرگرم رہتا ہے۔ یہ چار اوصاف جس گروہ میں پیدا ہو جائیں اسے عروج وترقی کے قلعے یکے بعد دیگر فتح کرنے اور دنیا کی امامت کا تاج زیب سر کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ ایسے ہی لوگ بلاشبہہ اہل القرآن ہوتے ہیں، اور وہی بے شک اہل اللہ بھی ہوتے ہیں۔

صفدر علی چودھری مرحوم

سلیم منصور خالد

جب کوئی ہم نفس، ہم مقصد ساتھی زندگی کا سفر مکمل کر کے چلا جاتا ہے تو بہت کچھ کھونے کے صدمے، تنہائی اور اجنبیت کے احساس میں شدت پیدا ہوجاتی ہے۔ دوستی کی نعمت تو ۳۰ برس کی عمر سے پہلے ہی ملتی ہے، بعد میں ممکن ہے بہت سے اچھے لوگ حلقۂ احباب میں شامل ہوں، لیکن دوستی کی تعریف پہ کم ہی پورے اُترتے ہیں۔ انسانی زندگی، دوستی کی خوشبو سے معطر نہ ہو تو وہ بجاے خود ایک بوجھ محسوس ہونے لگتی ہے، اور بے بسی کا پہاڑ اپنی ہیبت طاری کرتا دکھائی دینے لگتا ہے۔

صفدر علی چودھری اپنے منصب اور مصروفیات کے اعتبار سے جماعت اسلامی پاکستان کے ناظمِ نشرواشاعت تھے، لیکن مزاجاً وہ دوستیاں بنانے اور پالنے والے شخص تھے ___ سب کے دوست اور سب سے دوستی۔ ہر فرد کا اپنا تجربہ ہوگا۔ راقم کے سامنے مشاہدات و تعلقات کی ایک کہکشاں ہے، اور اس 'منوہر' بھائی کے طرزِ تعلقات، مقصد کی لگن اور ایثار و قربانی کے پہلو اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ انھیں بیان کرنا مشکل اور ان کی شدت و گہرائی کو لفظوں میں سمونا مشکل ترین عمل ہے۔

صفدر چودھری صاحب فی الحقیقت کارکن تھے اور ایسا کارکن کہ جس میں قیادت کی صلاحیت تو موجود ہو مگر وہ کارکن کی حیثیت سے آگے بڑھ کر قدم رکھنا نہ چاہے۔ وہ کہا کرتے تھے: ''میں نہ صاحبِ قلم ہوں، نہ عالم ہوں، نہ کچھ صحافتی تجربہ رکھتا ہوں، اور نہ مکالمے کی صلاحیت ہے، لیکن اس کے باوجود نعیم صدیقی صاحب اور مصباح الاسلام فاروقی صاحب کی نشست پر دھکا دے کر بٹھا دیا گیا ہوں''۔

سوال کیا: ''جب یہ ذمہ داری پڑ گئی ہے تو پھر اسے نبھانے کا ڈھنگ کیسے اپنایا ہے؟'' جواب میں کہنے لگے: ''اس زیادتی کا ایک ہی حل سوچا ہے کہ اس میدان میں بھاگ بھاگ کر لکھنے والوں کی خدمت کروں، اگر کوئی میرے مقصدِ زندگی کی تائید میں ایک جملہ بھی لکھے تو اس کا